(قسط اوّل)

پروفیسر خالد شبیر احمد
(ناظم اعلیٰ مجلس احرار اسلام پاکستان)

محاسبۂ قادیانیت اور مجلس احرار اسلام

قادیانیت: استعمار کی سیاسی طاقت اور مجلس احرار اسلام قادیانیت پر کچھ بھی تحریر کرنے یا پڑھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ قادیانیت ایسی سیاسی طاقت ہے جسے برطانوی سامراج نے اپنے مخصوص مقاصد کیلئے پروان چڑھایا۔ مذہب کے لبادے میں یہ سیاسی طائفہ برطانوی اور یہودی قوتوں کا آلہ کار بن کر تقریباً ایک صدی سے ملتِ اسلامیہ کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا سارا کام ایک سیاسی کام ہے۔ جس کا احیاء اسلام کے ساتھ نہ تو کبھی واسطہ رہا ہے اور نہ ہی کوئی اس کا اسلام سے سروکار ہے۔ برطانیہ جو ملت اسلامیہ کی یک جہتی اس کے اتحاد کو اپنے لئے انتہائی ضرر رساں تصور کرتا تھا اور اب بھی کرتا ہے۔ اسی اتحاد ملی کو پارہ پارہ کرنے کیلئے سیاسی بساط پر مذہبی لبادے میں قادیانیت کو سیاسی مہرے کے طور پر استعمال کرتا رہا ہے اور اب بھی کر رہا ہے۔ مرزا غلام احمد کا دعویٰ مجددیت، مہدیت، مسیحیت، نبوت اور رسالت کے پیچھے محض سیاسی مقاصد کی کارفرمائی ہے اور مذہب کے ساتھ اس کا کوئی تعلق، کوئی واسطہ نہیں۔ یہ تحریک مذہب کے نام پر سیاسی مقاصد کیلئے ہمیشہ برطانوی اشاروں کے تحت اور ملت اسلامیہ کے ملی مقاصد کے خلاف استعمال ہوتی رہی ہے اور اس وقت بھی ہو رہی ہے اور جب تک برطانوی، امریکی، یہودی استعمار دنیا کے اندر اپنی انفرادیت کو قائم رکھ سکا۔ قادیانیت اس کے اشاروں پر یونہی ناچتی رہے گی۔ جس طرح آج ناچ رہی ہے یا گزشتہ ایک صدی کے دوران ناچتی رہی ہے۔ لہٰذا قادیانیت کے موضوع پر مطالعہ کرنے والے حضرات کو کبھی اپنے ذہن کے کسی گوشہ میں یہ خیال نہیں رکھنا چاہیے کہ قادیانیت محض ایک فریب ہے۔ مذہب کے نام پر یہ ایک سیاسی ٹولہ ہے جو یہودیوں اور انگریزوں کے ایماء پر ملت اسلامیہ کے خلاف پچھلی ایک صدی سے برسرِ پیکار ہے۔ زیرِ نظر کتاب میں اسی زاویۂ نگاہ سے قادیانیت کو پیش کیا گیا ہے۔

مرزا غلام احمد نے مہدیت کا دعویٰ بھی انہی حقائق کو پیشِ نظر رکھ کے کیا تھا کہ امام مہدی دینی حوالے سے ایک ایسی شخصیت ہے جو خداوند تعالیٰ کی مدد سے زمین پر اپنی خلافت قائم کرے گی۔ یہی شخصیت خدا کی حمایت سے دنیا کے اندر عدل و انصاف قائم کر کے امام مہدی اسلام کا ایک جنگ جو بہادر سپاہی ثابت ہوگا جو اپنی عسکری قوت کے بل بوتے پر پوری دنیا کے اندر اسلام کی دھاک بٹھا دے گا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً کوئی طالع آزما لوگوں نے اپنے سیاسی مقاصد کے

حصول کیلئے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔ ایران کے اندر بہائی تحریک اور ہندوستان کے اندر قادیانی تحریک کے پیچھے بھی یہی جذبہ اور یہی مقصد کارفرما تھا۔ خصوصاً مسلمانوں کے زوال کے ساتھ ہی امام مہدی کے مقام و مرتبہ کو زیادہ مؤثر طور پر فوقیت حاصل ہوئی کہ امام مہدی آئے گا، اسلام کی عسکری قوت کو منظم کر کے پوری دنیا کے اندر احیائے اسلام کی تحریک کو کامیابی کی منزل سے ہمکنار کر دے گا۔ مسلمانوں کی سیاسی قوت دوبارہ بحال ہو جائے گی اور دشمنانِ اسلام خداوند تعالیٰ کی حمایت اور مدد سے پوری دنیا کے اندر ذلیل و رسوا ہو کر مسلمانوں کی عظمت کے سامنے دوبارہ سجدہ ریز ہونے پر مجبور ہو جائیں گے۔

مرزا غلام احمد نے ۱۸۹۱ء میں امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ امام مہدی کے بارے میں جتنی بھی روائتیں موجود ہیں۔ میری کوشش اس پر پوری اترتی ہے۔ امام مہدی کے ظہور کا وعدہ پورا ہو چکا ہے، لیکن امام مہدی کے عسکری تصور سے مرزا صاحب خائف تھے۔ چنانچہ اعلان ہوا کہ وہ جنگ جو امام مہدی نہیں ہے بلکہ ایک صلح کن اور امن پسند امام مہدی ہے، جو جہاد اور جنگ کو ختم کرنے کیلئے خدا کی طرف سے اس کی مخلوق کی طرف بھیجا گیا ہے۔ امام مہدی کے بارے میں جتنی بھی فاتحانہ روایات کتابوں میں موجود ہیں، اُن سے مرزا غلام احمد نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ اس کے برعکس امن، سلامتی، جمیت کا علمبردار ہے۔ اب کوئی ایسا مہدی نہیں آئے گا جو جہاد کر کے اسلام کی خدمت کرے۔ خونی مہدی کا تصور عیسائیوں، یہودیوں اور خلاف اسلام قوتوں کو تباہ کر کے اسلام کی حکمرانی کو قائم کرنے والے امام مہدی کا تصور غلط تصور ہے۔ اب امام مہدی محبت اور حسن اخلاق سے دشمنوں کو متأثر کرتے ہوئے اسلام کی خدمت سر انجام دے گا۔ مرزا نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ برطانوی حکمرانی کے خلاف جہاد کا اب سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ شرعاً ممنوع ہو چکا ہے۔ یہ جہاد خواہ ہندوستان میں ہو یا پھر ہندوستان کے باہر انگریزوں کے خلاف کسی جگہ پر ہو ختم قرار دیا جا چکا ہے۔ خدا کی جانب سے میں اسے ختم کرتا ہوں اور اب قیامت تک کیلئے مسلمان اس فریضے پر سبکدوش ہو چکے ہیں۔

مرزا صاحب کے تمام ارشادات انگریزی استعمار کی حفاظت کیلئے مسلمانوں کو تلقین کے طور پر پیش کئے گئے وہ اس لئے برطانوی سامراج انیسویں صدی کے آخری حصے میں اپنے سامراج کے تسلط کو برقرار رکھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اور صورت حال انگریزوں کے حق میں نہیں تھی۔ ۱۸۷۹ء میں مصر کے اندر انگریزی استعمار کے خلاف بغاوت کے آثار نمایاں طور پر سامنے آ چکے تھے۔ مصری فوج کے اندر بھی انگریزوں کے خلاف بغاوت ہوئی۔ ۱۸۸۱ء کے اندر مصر کے کرنل احمد اعرابی نے بعض مذہبی اور فوجی رہنماؤں کی مدد سے مصر میں بغاوت کی۔ سکندریہ کے اندر انگریزوں کے خلاف مظاہرے ہوئے۔ اس وقت کے انگریز وزیراعظم گلیڈسٹون نے کرنل احمد اعرابی کی قوت کو ختم کرنے کیلئے باقاعدہ مصر میں فوج روانہ کی۔ بڑی مشکل کے ساتھ کرنل احمد اعرابی کی اس بغاوت کو ۱۸۸۳ء میں کچل دیا گیا۔ اسی دوران انگریزی سامراج کو چیلنج کرنے والی ایک اور زبردست شخصیت سوڈان کے اندر ظاہر ہوئی۔ المہدی سوڈانی (محمد احمد) نے مذہب

کے پلیٹ فارم پر کئی قبائل کو یکجا کر کے ایک مضبوط و مؤثر فوجی قوت حاصل کر لی۔ اور انگریزی سامراج کیلئے ایک مستقل خطرے کی صورت اختیار کر لی تھی۔ جلدی ہی مہدی سوڈانی نے دریائے نیل کے مصری سوڈانی علاقے پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔ جنرل ہک (HICK) دس ہزار فوج کے ساتھ مہدی سوڈانی کا مقابلہ کرنے کیلئے سوڈان کے صحراؤں کی طرف روانہ ہوا لیکن مہدی سوڈانی کے ہاتھوں بری طرح سے شکست کھا کر ذلیل و خوار ہوا۔ مہدی سوڈانی نے اپنے معتقدین کے اندر دینی جذبے سے جہاد کی روح پھونک دی تھی۔ وہ سروں کو اپنے ہاتھوں پہ رکھے برطانوی فوج سے ٹکرا گئے اور انہیں زبردست شکست سے دوچار کر دیا۔ مسلمانوں کی اکثریت مہدی سوڈانی کو اصلی امام مہدی سمجھنے لگی اور اس طرح وہ دن بدن ایک زبردست دینی قوت بنتے گئے۔ جنرل ہک کی ناکامی کے بعد جنرل گارڈن (Gordon) اور پھر چرچل کو بغاوت فرو کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ لیکن انہیں بھی کامیابی نصیب نہ ہوئی۔ غرضیکہ مہدی سوڈانی کے ساتھ ایک لمبے عرصے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ گارڈن کے بعد جنرل کچنر (Kitchner) نے ۱۸۹۶ء میں اس بغاوت کو ختم کیا۔ مہدی سوڈانی کے خلیفہ کو شکست ہوئی اور اس طرح سوڈان دوبارہ سلطنتِ برطانیہ میں فوجی قوت کے ساتھ شامل کیا گیا۔ مہدی سوڈانی کی قبر کو تاراج کیا گیا۔ اُس کی ہڈیوں کو دریائے نیل میں بہا دیا گیا اور یوں برطانوی سامراج نے ایک طویل جدوجہد کے بعد سکھ کا سانس لیا۔

مہدی سوڈانی کی اس تحریک سے خود سارا عرب متاثر ہوا۔ سعودی عرب، شام خاص طور پر برطانوی سامراج کے خلاف صف آراء ہوتے نظر آ رہے تھے۔ خود ہندوستان کے اندر مہدی سوڈانی کی فوجی بغاوت کے اثرات مرتب ہو رہے تھے۔ ہندوستان کے مسلمانوں نے اس بغاوت کو بنظرِ استحسان دیکھا۔ ایک وقت تو ایسا بھی تھا کہ ہندوستان کے مسلمان یہ سمجھنے لگے کہ جلد ہی مہدی سوڈانی پورے افریقہ پر تسلط جما کر ہندوستان کے مسلمانوں کو انگریزوں کے تسلط سے نجات دلا کر انہیں آزادی کی منزل سے ہمکنار کر دے گا۔

غرضیکہ جب مہدی سوڈانی کی تحریک اپنے عروج پر تھی مرزا غلام احمد بڑی شدت سے مسلمانوں کے دل و دماغ سے جذبہ جہاد کو ختم کرنے پر کمربستہ تھے۔ مرزا صاحب نے اپنی کتاب ''حقیقتِ مہدی'' جو قادیان سے ۱۸۹۹ء میں شائع ہوئی فقط مہدی سوڈانی کی مذمت میں لکھی۔ مہدی سوڈانی کو خونی مہدی کے نام سے منسوب کیا گیا۔ اور اسی کتاب میں دعویٰ کیا کہ پچھلے بیس برسوں سے (۹۹۔۱۸۷۹ء) سے وہ (مرزا غلام احمد) جہاد کے خلاف لٹریچر اسلامی ممالک میں خصوصاً ترکی، شام، افغانستان میں تقسیم کر رہا ہے۔ اسی کتاب میں اس نے مسلم ممالک سے یہ اپیل بھی کہ خونی مہدی کو چھوڑ کر اسے مہدی تسلیم کیا جائے اور جہاد کے نام پر ہونے والی انگریزوں کے خلاف بغاوت کو ختم کر دیا جائے کہ اب اس کا کوئی شرعی جواز باقی نہیں ہے۔

اس کے ساتھ ہی اس نے ملکہ وکٹوریہ کے نام ایک خط میں انگریزوں کو باور کرانے کی کوشش کی کہ اس نے اپنے باپ اور بھائی کی وفات کے بعد ہزاروں روپے صرف کر کے اس لٹریچر کو اسلامی ممالک میں تقسیم کیا ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں میں جذبہ جہاد کو ختم کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ میری اس تحریک کے مثبت اثرات دنیا کے مسلمانوں میں مرتب ہوں گے۔ اور ایک دن میری اس تحریک سے برطانوی سامراج کو استحکام نصیب ہوگا۔ خود ہندوستان کے اندر بھی انگریز مسلمانوں کے جذبہ جہاد سے خائف تھے۔ سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ کی تحریک اگرچہ مئی ۱۸۳۱ء میں بظاہر ختم ہو چکی تھی۔ لیکن اس کے اثرات پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں موجود تھے۔ تحریک ریشمی رومال ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی باغیانہ کوششیں جو روس تک پہنچ گئیں تھیں۔ یہ سب کچھ انگریزوں کو پریشان کر دینے کیلئے کافی سے زیادہ تھا۔ اس دور کے حالات پر ہندوستان کے مشہور صحافی مولانا چراغ حسن حسرت اپنے ایک مقالے میں ہندوستان کے حالات اور مرزا غلام احمد قادیانی پر اپنے اہم مضمون ''مرزائیت دین عجم کا تسلسل'' کے عنوان سے تحریر کرتے ہیں۔ جس کے چند اقتباس نذر قارئین ہیں۔

''ہندوستان میں سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کے ارادے سے علم جہاد بلند کیا۔ اگرچہ انہیں اس مقصد میں ناکامی ہوئی۔ تاہم مسلمانوں پر اس تحریک کا خوشگوار اثر پڑا اور ان کے متبعین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جو برابر غیر اسلامی حکومت اور غیر اسلامی عقائد کے خلاف بغاوت کرتی رہی۔ اس زمانے میں دہلی کے تخت پر ایک برائے نام فرماں موجود تھا۔ ۱۸۵۷ء میں اسلامی حکومت کا یہ آخری نشان بھی مٹ گیا۔

یہ زمانہ مسلمانوں کے جذبات کی شورش اور اضطراب کا ایک ہیجانی دور تھا۔ دہلی کی حکومت برائے نام سہی بہرحال وہ مسلمانوں کی ہشت صد سالہ حکومت کی یادگار تھی۔ اس کا مٹنا آل بابر کی عظمت کا مٹنا تھا۔ اس لئے مسلمانوں کو اس برائے نام حکومت کے چھن جانے کا سخت صدمہ تھا۔ اور وہ اپنے دلوں میں انگریزوں کے خلاف ایک عمیق جذبۂ نفرت محسوس کر رہے تھے۔ انگریزوں نے ان کے جسم مسخر کر لئے تھے لیکن وہ ابھی تک ان کو روح کو مغلوب نہ کر سکے۔ یہ صحیح ہے کہ یہ مسلمان مجبور اور بے بس تھے اور انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کر دینا ان کے لئے تقریباً ناممکن تھا۔ لیکن انہوں نے اپنی دلی نفرت کے اظہار میں کبھی تامل نہیں کیا۔ یعنی اس زمانے میں جب ہندو انگریزی تعلیم حاصل کر کے سرکاری عہدوں پر قبضہ کر رہے تھے۔ مسلمانوں نے مقاطعہ اور عدم تعاون کی راہ اختیار کی۔ انگریزی زبان اور انگریزوں کی ملازمت سے کوئی سروکار نہ رکھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک اپنے جذبات کے اظہار کا اس سے زیادہ موزوں کوئی طریقہ نہ تھا۔ سید احمد بریلویؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے پیرو جو عام طور پر وہابی کے نام سے مشہور تھے، اس طریقہ پر قناعت کرنا نہیں جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے شمال مغربی سرحد اور بنگال میں شورش برپا کر دی۔ اگرچہ یہ شورش اتنی خطرناک نہیں تھی کہ

انگریز کے حاکمانہ اقتدار کو کوئی شدید نقصان پہنچا سکتی لیکن اس سے ملک کے عام اضطراب میں اضافہ ہو گیا۔ اور انگریزی لغت میں لفظ ''وہابی'' خوفناک باغی اور مذہبی دیوانے کا مترادف سمجھا جانے لگا۔

اس قسم کے یاس انگیز موقعوں پر لوگ خود اپنی تسکین کا کوئی سامان پیدا کر لیا کرتے ہیں۔ جس طرح عیسائیوں کو قسطنطنیہ کی فتح کے موقع پر یہ یقین نہیں آتا تھا کہ بازنطینی حکومت اس آسانی سے مٹ جائے گی اور سلطان محمد فاتح کے داخلے کے وقت بھی وہ پادریوں کی اس روایت میں تسکین تلاش کر رہے تھے کہ جب مسلمانوں کی فتح مکمل ہو جائے گی تو دفعتہً سینٹ صوفیہ کی دیوار شق ہو گی۔ ایک فرشتہ ہاتھ میں شمشیر برہنہ لے کر نکلے گا اور سارے مسلمانوں کو قتل کر دے گا۔ اسی طرح اس زمانے میں مسلمانوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ ان کی حکومت اس آسانی سے مٹ سکتی ہے ان میں یہ خیال عام تھا کہ قیامت قریب آ گئی۔ عنقریب دجال کا لشکر ساری کائنات ارضی پر پھیل جائے گا پھر مہدی کا ظہور ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے اور دجال کو قتل کر کے از سر نو اسلامی حکومت قائم کر دیں گے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے جو انگریزی ملوکیت کے خدوخال میں دجال کے چہرے کی مشابہت تلاش کر رہے تھے۔

ظہور مہدی کے مسئلے نے وہابیوں میں بھی دو گروہ پیدا کر دیئے تھے۔ ایک جماعت سید احمد بریلویؒ کو مہدی سمجھتی تھی ان لوگوں کا خیال تھا کہ وہ زندہ ہیں اور پھر کبھی ظہور کریں گے، دوسرا گروہ ایک نئے مہدی کا انتظار کر رہا تھا۔ افغانستان میں شمالی ہند میں فارسی کے بعض قصیدے جنہیں شاہ نعمت اللہ ولی سے منسوب کیا جاتا ہے اور جن میں مہدی کے ظہور کی پیش گوئی کی گئی ہے، گھر گھر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ خیال بھی عام تھا کہ تیرہویں صدی کے خاتمے پر مجدد کا پیدا ہونا ضروری ہے۔ نواب صدیق حسن خان بھوپالی اور مولوی عبدالحیٔ نے تجدید دین کے مسئلے اور اس کی ضرورت واہمیت کو لوگوں کے ذہن نشین کرنے میں بڑا حصہ لیا۔ ان دونوں بزرگوں کے مابین اس زمانے میں جو مباحث ہوتے رہے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی مجدد ہونے کے مدعی تھے۔

ہندوستان اور روس کے حالات نے بھی مسلمانوں کے اس انتظار میں معتد بہ اضافہ کر دیا۔ اس زمانے میں روس نے آہستہ آہستہ مشرق کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا تھا اور ''سینٹ پیٹر برگ'' (سینٹ پیٹر برگ اس زمانے میں روس کا دارالحکومت تھا) اور لندن کے سیاسی حلقوں میں یہ خیال بھی تھا کہ زارِ روس ہندوستان پر حملہ کرنے کیلئے صرف بہانے بنا رہا ہے۔ دفعتہً خبر آئی کہ روس نے تاشقند مرو ار پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو دریائے جیحوں تک پھیلا دیا ہے انگریز پہلے ہی مسلمانوں سے بدظن تھے۔ اس واقعے سے انہیں زیادہ بدگمان کر دیا۔ جہاد کا مسئلہ ان کے لئے سب سے زیادہ تشویش اور فکر کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ ظہور مہدی کے مسئلے کی سیاسی حیثیت بھی ان کے پیش نظر تھی۔ (جاری ہے)